

## آخرت میں جواب دہی کی حقیقت

سید ابوالاعلیٰ مودودی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
 وَالْحَمْدُ لِلَّهِ الْعَلِيِّ فَالْحَمْدُ لِلَّهِ الْعَلِيِّ وَقَرَا ۝ فَالْجَرِيْتَ يُسْرًا ۝  
 فَالْمُفْسِدُتَ أَمْرًا ۝ إِنَّمَا تُوعَدُونَ لَصَابِرًا ۝ وَإِنَّ الْمُبَيِّرَ لَوَاقِعًا  
 (الْمُذْكُورَاتِ: ۱-۶) قسم ہے ان ہواوں کی جو گرد اڑانے والی ہیں، پھر پانی سے لدے ہوئے بادل اٹھانے والی ہیں، پھر ایک بڑے کام (بارش) کی تقسیم کرنے والی ہیں، حق یہ ہے کہ جس چیز کا تشکیل خوف دلایا جا رہا ہے، وہ تھی ہے اور جزاۓ اعمال ضرور پیش آنی ہے۔

یہ سورۂ ذاریات ہے۔ اس کا اصل موضوع تنبیہ اور آخرت کا برپا ہونا ہے۔ اس میں قسم کھا کر یہ بتایا گیا ہے کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے، یعنی مرکر دوبارہ اٹھنا، اللہ تعالیٰ کے حضور میں سب انسانوں کا جمع ہونا اور جمع ہو کر اپنا حساب دینا، یہ سچا وعدہ ہے۔ یوم الدین، یعنی جزا اوسرا کا دن واقع ہونے والا ہے۔

یہاں جس بات پر ان ہواوں کی قسم کھائی گئی ہے جو بارش کا موسم آنے پر چلتی ہیں وہ یہ ہے کہ آخرت کا وقت آنے والا ہے اور یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ ابتداء میں پر اگدا ہوا یہیں چلتی ہیں اور خاک اڑاتی ہیں۔ اس کے بعد پھر اپنے اوپر بھاری بادل اٹھاتی ہیں، یعنی پانی سے لدے ہوئے بادل۔ پھر ان کو لے کر چلتی ہیں۔ فَالْمُفْسِدُتَ أَمْرًا (۱۶:۵۱) پھر ایک بڑے کام کی تقسیم کرنے والی ہیں۔ یہاں امر سے مراد بارش ہے۔

ان دونوں چیزوں، یعنی ہواوں اور بارش میں کیا مناسبت ہے؟

درachi اس کی مناسبت یہ ہے کہ ہواوں کا یہ انتظام اس بات کا پتا دے رہا ہے کہ اس کائنات اور دنیا کا یہ نظام نہ الٹ پن گیا ہے اور نہ الٹ چل رہا ہے کہ کوئی اندھی بھری طاقتیں ہزاروں لاکھوں سال سے اس نظام کو چلائے جا رہی ہیں، بلکہ یہ ایک منظم کائنات ہے جس کی پشت پر ایک قانون بڑی باقاعدگی کے ساتھ کام کر رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں یہ قانون بنایا ہے کہ زمین گردش کرتی ہوئی ایک خاص حصے میں داخل ہوتی ہے تو اس پر گرمی کا موسم آ جاتا ہے۔ گرمی کی شدت کے ساتھ سمندروں سے بخارات اُٹھتے ہیں۔ جس وقت یہ بخارات بڑی تعداد میں عالم بالا میں جمع ہو جاتے ہیں تو اس وقت خاص قسم کی ہوا کیمیں چنان شروع ہوتی ہیں۔ یہ ہوا کیمیں ان بخارات کو بادلوں میں بدل دیتی ہیں اور پھر ان بخاری بادلوں کو لے کر چلتی ہیں۔ سمندروں کے اوپر سے اور مختلف خطوں کے اوپر سے باقاعدگی سے گزرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان ہواوں کے گزرنے کا قانون مقرر کر رکھا ہے اور ہر علاقے سے وہ اسی حساب سے گزرتی ہیں۔ اسی لیے فرمایا گیا: **فَالْمُقْسِمُتُ أَمْمًا** ”پھر ایک بڑے کام (بارش) کی تقسیم کرنے والی ہیں“، ایسا نہیں ہوتا، مثلاً کسی علاقے میں ۵۰ میٹر کا اوسط ہے وہاں دو دن بارش ہو جائے اور کسی علاقے میں ۵۰ میٹر کا اوسط ہے اور وہاں ایک دن بارش ہو جائے بلکہ باقاعدگی کے ساتھ پورے روے زمین پر بارش کے زمانے میں بارش ہوتی ہے۔ بالعموم جس ملک میں جس موسم میں بارش ہوتی ہے، اس زمانے میں وہاں بارش ہوتی ہے اور اس کی اوسط قائم رہتی ہے۔ اس میں تھوڑی بہت کمی بیشی ہوتی رہتی ہے لیکن ایک معمول قائم رہتا ہے۔

یہ ساری چیزیں اس بات کی متقاضی ہیں اور لازم ہے کہ اس کائنات میں ایک قدرت کے ساتھ ایک نظم قائم ہو۔ اللہ تعالیٰ حکیم ہے۔ اس نے بڑی حکمت کے ساتھ اپنی زمین پر رہنے والوں اور اپنی زمین کے مختلف حالات کے لحاظ سے نظم قائم کیا ہے اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ حکیمانہ نظام ہے اور ایسا نظام نہیں ہے جس کو اندھی بھری قوتیں چلاتی ہوں۔ اگر اندھی بھری قوتیں اس نظام کو چلا رہی ہو تو یہ نظام اس باقاعدگی کے ساتھ اور اتنی حکمت کے ساتھ قائم نہ رہتا۔

اب، جب کہ یہ ایک حکیمانہ نظام ہے تو پھر پورے نظام کے بارے میں یہ تصور کرنا کہ اللہ تعالیٰ اس زمین کے اُپر انسان کو پیدا کر کے، اس کو عقل دے، تمیز دے، اختیارات دے، اپنی

زمین کی بے شمار چیزوں پر اس کو قدر تین عطا فرمائے یا وہ اپنے حاکمانہ اختیار کو استعمال کرے، اور یہ سب کچھ دینے کے بعد اس سے کچھ نہ پوچھئے کہ جو کچھ میں نے تجھے دیا ہے اس کا تو نے کیا کیا ہے؟ اس میں اخلاقی حصہ پیدا کرے، نیکی اور بدی کی تمیز پیدا کر کے اس کے اندر یہ احساس پیدا کرے کہ نیکی کا نتیجہ اچھا ہونا چاہیے اور بدی کا نتیجہ بُرا۔ اس کے ہاتھوں سے اس دنیا میں نیکی بھی ہوا اور بدی بھی، وہ ظلم بھی کرے اور انصاف بھی۔ یہ سارے مختلف کام وہ زمین پر کرتا رہے اور اس کے بعد مرکریبیں مٹی ہو جائے اور نہ کسی نیکی کا کوئی نتیجہ نکلے اور نہ کسی بدی کا کوئی نتیجہ۔ نہ کسی ظالم سے یہ پوچھا جائے کہ تم نے ظلم کیوں کیا؟ اور نہ کسی مُنصف کو اس کے انصاف پر انعام دیا جائے۔ اس چیز کی توقع کسی حکیمانہ نظام میں نہیں ہو سکتی بلکہ ایک اندھے بہرے نظام سے ہی ہو سکتی ہے۔

اگر یہ اندھا بہرہ نظام ہے تو اس میں انسان کو بھی پیدا کیا گیا ہے جس کو اتنا کچھ دیا گیا ہے اور با اختیار بنایا گیا ہے۔ یہ سب کچھ دیکھنے کے بعد وہ یہ کہتا ہے کہ اس نظام کو اندھی بہری طاقتیں چلا رہی ہیں۔ دوسری طرف ان اندھی بہری طاقتوں میں یہ بات بھی ہے کہ وہ اخلاقی حصہ بھی انسان میں پیدا کرتی ہیں اور نیکی اور بدی کی تمیز بھی۔ اس سب کے باوجود اگر کوئی انسان کہے کہ اس نظام کو اندھی بہری طاقتیں چلا رہی ہیں اور وہ اتنا ضریب ہے تو اس کا کوئی علاج نہیں۔ اگر ہٹ دھرم نہیں ہے تو اسے خود یہ محسوس ہوگا کہ جو طاقتیں زمین کو چلا رہی ہیں، گرمی اور سردی اور تپش کا قانون اور مختلف طاقتیں جوز میں میں کار فرمان نظر آ رہی ہیں، ان میں سے کسی میں بھی کوئی اخلاقی حصہ نہیں ہے۔ کسی کے اندر نیکی اور بدی کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ کسی کے اندر نیک اور بد کی تمیز نہیں پیدا ہو سکتی۔ یہ کوئی حکیم ہی ہے جس نے انسان کے اندر یہ اخلاقی حصہ پیدا کی ہے، جو مادی طاقتوں کے اندر کسی میں موجود نہیں ہے۔ نہ ہائیڈروجن میں ہے، نہ آسٹریجن میں اور نہ پانی اور ہوا میں۔ اس نے صرف انسان میں ہی یہ اخلاقی حصہ اور نیکی اور بدی کی تمیز پیدا کی ہے۔

یہ ایک حکیمانہ نظام ہے اور کسی بھی حکیمانہ نظام میں اس بات کی توقع نہیں کی جاسکتی کہ کسی کو اختیارات دیے جائیں اور اس سے پوچھانہ جائے کہ اس نے ان اختیارات کو کیسے استعمال کیا؟ کسی کو طاقتیں عطا کی جائیں اور یہ دیکھانہ جائے کہ اس نے ان طاقتوں کو کیسے استعمال کیا؟ نیکی اور بدی کی تمیز پیدا کر دی جائے اور پھر نیکی اور بدی کا کوئی نتیجہ نکلے۔

اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ ہواؤں کا جو نظام تمھیں نظر آ رہا ہے، یہ بتارہا ہے کہ قیامت کے آنے کا جو وعدہ تم سے کیا جا رہا ہے اور جزا اسرا کے واقع ہونے کی تم کو جو خبر دی جا رہی ہے، یہ یقیناً پچی ہے۔ اس نظام کو جو شخص بھی دیکھے گا وہ یہ باور کرے گا کہ فی الواقع یہ چیز ہونے والی ہے اور یہ کائنات اہل شب نہیں چل رہی ہے۔

**وَالسَّمَاءِ مَنَاتِ الْبُلْهَى إِنَّكُمْ لَفِي قَوْلٍ مُّنْتَافِي ۝ يُوْفَىٰ  
عَنْهُ مَرْأَفَيَ ۝** (۵۱: ۷-۹) قسم ہے متفرق شکلوں والے آسمان کی، (آخرت کے بارے میں) تمھاری بات ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ اس سے وہی برگشته ہوتا ہے جو حق سے پھرا ہوا ہے۔

بُلْهَى کے دو معنی ہیں۔ اس کے معنی راستے کے بھی ہیں اور متفرق شکلوں کے بھی۔ جس طرح ریگستانی علاقوں میں کثرت سے ہوائیں چلنے سے الہمیں پیدا ہوتی ہیں اور ان سے ریت کے تودے ٹوٹ پھوٹ کر الہم کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ ایسے ہی بعض اوقات آسمان پر بادل کئے پھٹے ہو کر دُور تک جہاں تک نگاہ جاتی ہے، نظر آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم ہے اس آسمان کی جس میں راستے بنے ہوئے ہیں یا کئے پھٹے بادل نظر آ رہے ہیں، تم اپنے احوال میں مختلف ہو۔

**يُوْفَىٰ عَنْهُ مَرْأَفَيَ ۝** ان مختلف احوال سے دھوکا کھاتا ہے، دھوکا کھانے والا شخص یعنی جس آدمی کی طبیعت ہی ایسی ہو اور جس آدمی کا مزاج ہی ایسا ہو کہ وہ دھوکے ہی کو پسند کرتا ہو، اور جو دوسروں کو دھوکا دیئے والا ہو اور اسی کی بات سنتا اور قبول کرتا ہو، جو دھوکا دیتا ہے، وہی شخص مختلف احوال سے دھوکا کھاتا ہے۔

یہاں آسمان پر مختلف بادلوں کی اور آسمان پر تاروں کے درمیان مختلف فاصلوں کی قسم کھائی گئی ہے۔ ایک تارے اور دوسرے تارے کے درمیان فاصلہ ہوتا ہے۔ پھر دوسرے اور تیسرا تارے کے درمیان فاصلہ ہوتا ہے اور لامحہ ان کے درمیان کتنے راستے ہوتے ہیں۔ آسمان پر مختلف طور پر جس طرح تارے بکھرے ہوئے ہیں اور مختلف طور پر آسمان میں یہ بادل بکھرے ہوئے ہیں، اسی طرح سے تمھارے احوال بھی مختلف ہیں۔

احوال سے مراد یہ ہے کہ لوگوں میں آخرت کے بارے میں مختلف قسم کے تصورات پائے جاتے ہیں۔ کسی نے یہ تصور قائم کر لیا ہے کہ کوئی آخرت نہیں ہونی ہے۔ انسان کو مر کر مٹی ہو جانا ہے اور کسی کے سامنے جواب نہیں دینا ہے۔ کوئی یہ کہتا ہے کہ انسان پہلے بھی اس دنیا میں بار بار جنم لیتا رہا ہے اور آئندہ بھی بار بار جنم لیتا رہے گا۔ جیسے اس کے اعمال ہوتے ہیں مرنے کے بعد وہ دوبارہ ان کے مطابق جنم لیتا رہے گا۔ کسی جنم میں وہ کتنا بن کر اٹھتا ہے، کسی جنم میں میں بیوی یا بڑی بُن کر اٹھتا ہے۔ کسی جنم میں حیوان بن کر اٹھتا ہے اور کسی جنم میں چوہا بن کر اٹھتا ہے۔ کوئی شخص جو تناسخ کا قائل ہے وہ اس طرح سے سوچتا ہے۔ کوئی یہ کہتا ہے کہ بعد انسان زندہ تو ہوگا لیکن اللہ کے کچھ ایسے پیارے بندے ہیں خواہ ہم کچھ بھی کرتے رہیں لیکن وہ ہمیں بخش والیں گے کہ یہ تو ہمارے خاص بندے ہیں۔ کوئی دوسرا گناہ کر کے آئے تو وہ کپڑا جائے گا اور سزا کا مستحق ٹھیکرے گا لیکن یہ نج جائیں گے۔ اس طرح آخرت کے بارے میں لوگوں نے مختلف تصورات قائم کر کر کے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم نے آخرت کے بارے میں جو مختلف احوال، عقیدے اور تصورات قائم کر کے ہیں، ان سے وہی شخص دھوکا کھاتا ہے جو دھوکا کھانا ہی چاہتا ہے۔

آدمی دھوکا اسی وقت کھاتا ہے جب آدمی کی طبیعت کا میلان اس طرف ہوتا ہے۔ جب اس سے اس طرح کی بات کی جاتی ہے تو وہ دھوکا کھاتا ہے۔ ایک آدمی یہ کہتا ہے کہ مرنے کے بعد کچھ نہیں ہونا ہے، کوئی آخرت نہیں ہونی، کوئی جواب طلبی نہیں ہونی۔ اس بات کو وہی شخص تسلیم کرتا ہے جس کا یہ دل چاہتا ہے کہ میں زمین میں جو چاہوں کروں، جس ڈگر پر چاہوں چلوں، جس کھیت میں چاہوں منہ مارتا پھروں، جس کے ساتھ جو چاہوں ٹلام کروں اور مجھ سے کسی قسم کی جواب دیں نہ ہو اور کوئی جزا اوسزاء ہو۔ اگر جزا اوسزاء کو وہ مان لے تو اس کی یہ آزادی ختم ہو جائے گی۔

جزا اوسزاء کے مانع کے معنی یہ ہیں کہ جس کا ہے اس کا ہو جائے۔ اگر اس کے دل میں یہ سوچ راست ہو جائے کہ جو کچھ میں کر رہا ہوں اس کی جواب دی کے سامنے کرسکوں گا یا نہیں، یا جو کچھ کر رہا ہوں اس کا خمیازہ آخرت میں جا چکتوں گا، تو یہ سب کچھ پھر اس طرح ہو نہیں سکتا۔ اس وجہ سے اس کا یہ جی چاہتا ہے کہ کسی بھی طرح وہ کوئی ایسا عقیدہ اختیار کرے کہ وہ یہ سب کچھ دیبا میں کرتا رہے۔ جس کا چاہے حق مارے، جس سے جی چاہے زیادتی کرے، اور جس طرح چاہے

اپنی خواہشات پوری کرے اور ان اعمال کا کوئی نتیجہ اسے نہ بھگتنا پڑے۔ اس وجہ سے وہ دھوکا کھاتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ مرنے کے بعد کچھ نہیں ہوگا۔

اسی طرح سے جو شخص یہ چاہتا ہے کہ میں اپنے جرائم کا کوئی نتیجہ نہ بھگتوں وہ اگر آخرت کو مانتا بھی ہے تو اس کے ساتھ شفاعت کا عقیدہ بھی اختیار کرتا ہے۔ شفاعت کا اسلامی عقیدہ یہ نہیں ہے کہ تم اطمینان سے جو چاہے جرائم کرو اور کوئی صاحب تھیں آخرت میں بخشوونے کی ذمہ داری لے لیں کہ تھیں بخشوونے کی ذمہ داری ہماری ہے۔ بس تم ہمارا نذرانہ دیتے رہو اور ہم تھیں خدا سے معافی دلوادیں گے۔ یہ عقیدہ لازماً ایسا ہی شخص قبول کرتا ہے اور جا کر نذرانے دیتا ہے۔ پھر وہ چاہتا ہے کہ میں دنیا میں چوریاں کروں، بدمعاشیاں کروں، بدکرداریاں کروں، ظلم و ستم کروں اور کوئی صاحب ایسے ہوں جو مجھے وہاں بخشوادیں، اور وہاں کسی قسم کے نتائج نہ بھگتے پڑیں۔

حقیقت میں نہ کوئی بے وقوفی سے دھوکا کھاتا ہے اور نہ سادہ لوگی سے، جو دھوکا دیتا ہے اور جو دھوکا کھاتا ہے، دھوکا دینے والے اور دھوکا کھانے والے کے درمیان ایک پرده ہوتا ہے۔ ایک صاحب آخرت کا رونا روتے ہیں اور دل میں اس کا کوئی خوف نہیں ہوتا۔ دوسری طرف ایک صاحب جرائم کا ارتکاب کرنا چاہتے ہیں اور پھر اللہ سے التجا کرتے ہیں کہ یا اللہ مجھے آیندہ کے لیے بچانے کا انتظام کر۔ لازماً اس طرح کی باتوں پر دھوکا وہی لوگ کھاتے ہیں جو جرائم پیشہ ہوں، جرم کرنا چاہتے ہیں اور جرم کر کے اس کی سزا سے بچنا چاہتے ہیں۔

اسی طرح سے نتائج کا عقیدہ وہی شخص اختیار کرتا ہے جس کا اس دنیا سے جانے کو کسی طرح بھی دل نہیں چاہتا۔ دوبارہ اسی دنیا میں آئے اور کسی طرح رہ لے۔ وہ اس دنیا کو کسی طرح چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا۔ اس لیے وہ یہ عقیدہ اختیار کرتا ہے کہ اگر بُرے کام کرو گے تو اس دنیا میں ضرور آؤ گے خواہ کتابن کر آؤ۔

اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ تمہارے ان مختلف احوال میں دھوکا وہی شخص کھا سکتا ہے جو دھوکا کھانا چاہتا ہے۔ اگر کوئی شخص سوچ سمجھ سے کام لے، اس کائنات کے نظام پر غور کرے تو وہ کبھی نتائج کے عقیدے کو مان سکتا ہے اور نہ اس بات کو مان سکتا ہے کہ مرنے کے بعد کچھ نہیں ہوتا، اور نہ اس بات کو مان سکتا ہے کہ تم دنیا میں جرائم کرو اور کوئی ہستی وہاں تھیں بچا لے۔

**قُتِلَهُ الْخَرْصُورُ ○ الْمِنِيَرُ لَهُمْ فِي غَمْرَةٍ سَاكِنُوْرُ ○ (۵۱: ۱۰-۱۱)**  
 مارے گئے قیاس و گمان سے حکم لگانے والے، جو جہالت میں غرق اور غفلت  
 میں مددوں ہیں۔

غدر ص عربی زبان میں قیاس، اندازہ اور تخمینہ لگانے کو کہتے ہیں۔ جیسے کہ کوئی شخص اگر ایک باغ ٹھیکے پر لینا چاہتا ہے تو وہ باغ میں جا کر ایک نگاہ ڈال کر اندازہ کرے گا کہ اس باغ میں کتنا پھل ہے، اور جو شخص ٹھیکے پر دینا چاہتا ہے وہ بھی اندازہ کرے گا کہ اس میں کتنا پھل ہے۔ اس اندازے کی بنیاد پر دونوں کے درمیان ایک فیصلہ ہوتا ہے۔ گویا اس سے مراد کسی چیز کے بارے میں بغیر علم کے محض قیاس کی بناء پر اندازہ لگانا یا اندازے سے حکم لگانا ہے۔ جو شخص باغ کے پھل کا اندازہ لگاتا ہے وہ اسے گنتا اور تولتا نہیں ہے۔ اسے یہ بھی اندازہ نہیں ہوتا ہے کہ آندھی آنے پر کتنا پھل ٹوٹ جائے گا اور یہ کہ کتنا پھل پرندے کھا جائیں گے۔ ایک اندازہ ہوتا ہے کہ یہ باغ اتنا پھل دے جائے گا اور اس کی بنیاد پر وہ سودا کرتا ہے۔

ایسے سودے دنیا کے چھوٹے چھوٹے باغوں اور کھیتوں کے بارے میں تو ہو سکتے ہیں لیکن ایک شخص ایسے اندازے، تخمینے اور انکل پچوں سے اتنے بڑے معاملے کا فیصلہ کرتا ہے کہ اس دنیا کا کوئی خدا ہے یا نہیں ہے؟ اگر ہے تو اس کی صفات کیا ہیں؟ اور اگر نہیں ہے تو یہ دنیا کیسے چل رہی ہے؟ اسی تخمینے اور قیاس کی بناء پر وہ یہ بھی فیصلہ کر لیتا ہے کہ اس دنیا میں میری حیثیت کیا ہے؟ میں کسی کا بندہ ہوں یا نہیں یا شتر بے مہار ہوں جو اس دنیا میں اتفاق آ کیا ہے اور چھوٹا پھر رہا ہے۔ مجھے کسی کو جواب دینا ہے یا نہیں؟ جس کے سامنے جواب دینا ہے کیا وہ رشوت خوار تو نہیں یا اس کے کوئی ایسے چہیتے تو نہیں ہیں جو اسے بخشنوا لیں گے؟ اس طرح کے اتنے بڑے اور دین کے بنیادی معاملات کو اگر کوئی شخص انکل پچوں سے طے کرے اور ان کے بارے میں ایک عقیدہ اختیار کر لے اور اس عقیدے پر ایمان رکھے اور لوگوں کو دعوت دے کہ وہ اس کی تصدیق کریں اور اس بات کو مانیں، تو یہ حقیقت میں تباہی کا راستہ ہے۔

اگر ایک باغ کے بارے میں اس نے اندازہ کیا اور اس کے بعد آندھی آئی اور اس کا پھل تباہ ہو گیا تو اس سے جو نقصان ہو گا وہ ایسا تباہ کن نہ ہو گا کہ وہ تباہ و بر باد ہو جائے۔ لیکن جو شخص اس

کائنات کے بارے میں محض تجھیئے اور قیاس کی بنا پر کوئی فیصلہ کرڈا لے اور وہ فیصلہ غلط نکلے تو اس آدمی کا کیا حشر ہوگا؟ یا کسی شخص نے یہ فیصلہ کر لیا کہ خدا نہیں ہے، مرتا نہیں ہے، حساب کتاب نہیں دینا ہے۔ اس کے بعد جب وہ مرکر دوسری زندگی یا دوسرے مرحلے میں داخل ہوا اور یہا کیا کیا اسے جا کر معلوم ہوا کہ خدا بھی ہے، اس کے فرشتے بھی ہیں اور اسے حساب کتاب بھی دینا ہے اور مرنے کے بعد دوسری زندگی بھی ہے۔ دنیا میں اسے جو وقت عمل کے لیے ملتا ہو اس سارا وقت اس نے اپنے اندازے سے ضائع کر دیا۔ اب اس سے بڑھ کر بتاہی اور بربادی کا سودا اور کیا ہو گا۔

اللہ تعالیٰ یہاں یہ فرمرا رہا ہے کہ انکل پچولگانے والے مارے گئے اور بتاہ ہو گئے، یعنی اپنے ہاتھوں انہوں نے اپنے آپ کو جس خطرے میں ڈال دیا اس سے ان کا سارا کیا کرایا بتاہ و برباد ہو گیا۔ ان کا پوری عمر کا سرمایہ بتاہ ہو گیا۔ اس نے پوری عمر جن کاموں پر محنت کی، یہاں آ کر معلوم ہوا کہ ان سب کے نتیجے میں اذی جہنم کی سزا ہو گئی ہے۔ جن چیزوں پر اس نے عمر بھر کا سرمایہ لگا داد سارے کا سارا یہاں آ کر ختم ہو گیا۔

اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ عقیدے کے معاملے میں محض قیاسات پر بنیاد نہیں رکھنی چاہیے۔ قیاسات پر بنیاد رکھنے والا غلطی کرتا ہے۔ لامحالہ اس سے یہ تجھے لکھتا ہے کہ عقیدے کی بنیاد علم پر ہونی چاہیے۔ آدمی کو معلوم ہونا چاہیے کہ حققت کیا ہے۔

اس کے لیے قرآن مجید نے جو راستہ بتایا ہے اسے اگر آپ غور سے دیکھیں گے تو یہ معلوم ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نبیؐ کے ذریعے سے حققت کا علم برآ رہ است عطا کرتا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ کائنات کا نظام کیا ہے؟ کس نے بنایا ہے؟ اس نظام میں تم کس حیثیت سے آئے ہو؟ تمھاری زندگی کا مقصد کیا ہے؟ تمھاری زندگی کا مآل اور انجام کیا ہے؟ تمھارے لیے دنیا میں کام کرنے کی صحیح صورت کیا ہے؟ وہ کیا قانون ہے جس پر چلتا چاہیے؟ کن را ہوں پر تحسیں چلتا چاہیے؟ کون سے ضابطے ہیں جن کی پابندی تحسیں کرنی چاہیے؟ کن افعال کا کیا نتیجہ تم دیکھنے والے ہو؟ یہ ساری چیزیں حقیقت کے مطابق امر واقعہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس کے سوا کوئی صحیح علم رکھنے والا نہیں ہے، اس کے سوا اس حقیقت کو جاننے والا کوئی نہیں۔ وہ اپنیا کے ذریعے اس حقیقت کو اپنے بندوں تک پہنچاتا ہے۔ آپ کو عقل دی گئی ہے، آپ کو حواس دیے گئے ہیں۔ آپ آنکھیں رکھتے ہیں دیکھنے کے

لیے۔ آپ کا رکھتے ہیں سننے کے لیے۔ آپ حواس رکھتے ہیں محسوس کرنے کے لیے۔ یہ ساری دنیا اور کائنات آپ کی آنکھوں کے سامنے ہے جس کا دن رات آپ مشاہدہ کرتے ہیں۔ اس کے آثار آپ کو نظر آ رہے ہیں۔ آپ کے پاس عقل ہے۔ ان آثار کا اندازہ لگا کرو مرتب کر کے آپ منطقی نتیجہ نکال سکتے ہیں۔ ایک طرف یہ صلاحیت آپ کو دی گئی ہے اور دوسری طرف انہی کے ذریعے علم دیا گیا ہے۔ آپ کو جو حواس دیے گئے ہیں اور جو ذرائع معلومات دیے گئے ہیں وہ براہ راست حقیقت تک تو نہیں پہنچ سکتے۔ لیکن آپ کو اس قابل کر سکتے ہیں کہ جب نبی کے ذریعے سے آپ کو علم دیا جائے تو آپ اپنے مشاہدے اور حواس سے کام لے کر اسے جانچ اور پرکھ سکیں۔ آپ کے سامنے جو زیادہ سے زیادہ اقوال آتے ہیں انھیں آپ پرکھ سکیں کہ ان میں سے کون سا زیادہ معقول ہے، مثلاً یہ کہ ایک قول یہ آتا ہے کہ خدا نہیں ہے، یا یہ قول آتا ہے کہ بہت سے خدا ہیں، یا نبی کا یہ قول آتا ہے کہ اس کائنات کا ایک ہی خدا ہے۔

اب آپ اس کائنات پر غور کریں اور جائزہ میں کہ کیا اس بات کی کوئی شہادت ملتی ہے کہ اس کائنات کو بہت سے خدا چلا رہے ہیں؟ اب جو شخص عقل سے کام لے گا اور کائنات کا مشاہدہ کرے گا وہ اس نتیجے پر پہنچ گا کہ نبی جو خبر دے رہے ہیں کہ اس کائنات کا ایک ہی خدا ہے، وہی بات درست ہے۔ اس کائنات کے بہت سے خدا نہیں ہو سکتے۔

اسی طرح ایک قول آپ کے کان میں یہ پڑتا ہے کہ اس کائنات کا کوئی خدا نہیں ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ کائنات کا عظیم الشان نظام خود، خود قائم ہو گیا ہے۔ اگر کوئی عقل سے کام لے اور کائنات کا جو مشاہدہ اسے حاصل ہو رہا ہو اور اس سے جو معلومات اسے مل رہی ہیں اگر وہ اپنی عقل کے مطابق انھیں مرتب کرے، اس کا دل یہ گواہی دے گا بشرطیہ وہ تعصّب میں بنتا نہ ہو کہ اتنا عظیم الشان نظام جو لاکھوں، کروڑوں اور اربوں برس سے چل رہا ہے، وہ نہ بغیر خدا کے بن سکتا ہے اور نہ بغیر خدا کے چل سکتا ہے۔ یقیناً انہی کی یہ بات صحیح ہے کہ اس نظام کا ایک مالک ہے اور وہی خدا ہے اور وہی اس نظام کو چلا رہا ہے۔

ایسا ہی معاملہ آخرت کا ہے۔ آدمی براہ راست اپنے تجربے اور مشاہدے سے نتیجہ اخذ نہیں کر سکتا ہے کہ ہمیں مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنا ہے اور خدا کے ہاں جواب دہی کرنی ہے۔

صرف انیٰ کے ذریعے ہی یہ معلوم ہو سکتا ہے۔ یہ علمی طور پر معلوم ہوتا ہے مغض قیاس نہیں، کہ یقیناً مرنے کے بعد اٹھنا ہے۔ نبی آنکرہمیں خبر دیتا ہے کہ آخرت برپا ہونی ہے۔ اب ہم اپنی عقل اور مشاہدے سے کام لیں اور اس بات کو جانچ کر دیکھیں کہ جو مختلف اقوال ہمارے سامنے آ رہے ہیں، کہ مرنے کے بعد کچھ نہیں ہوتا، یہ قول بھی کہ مرنے کے بعد بار بار اس دنیا میں آنا ہے، یہ قول بھی کہ مرنے کے بعد خدا کے سامنے جانا ہے، لیکن کچھ سفارشیں کرنے والے ایسے ہیں جو ہمارے ہرے اعمال کے نتیجے سے ہمیں بجا لیں گے۔ پھر نبیؐ کا یہ قول بھی کہ مرنے کے بعد حساب دینا ہے اور اس کے مطابق ٹھیک ٹھیک انصاف کے مطابق فیصلہ ہوگا، اور جیسا عمل کرو گے ویسا نتیجہ ہوگا۔ جب آپ اپنی عقل سے کام لے کر ان مختلف اقوال کو جانچیں گے تو یقیناً اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ انیٰ کا قول ہی صرف معقول ہے۔ نہ یہ بات معقول ہو سکتی ہے کہ انسان دنیا میں ۷۰، ۸۰، ۹۰ برس زندہ رہے اور ہر طرف ظلم و ستم کرتا رہے اور کبھی اس کو جا کر کوئی جواب دی نہ کرنا ہوگی۔

اسی طرح یہ بات بھی غلط ہے کہ انسان بار بار اس دنیا میں آ کر پھر عمل کرے۔ ایک ہی زندگی کے عمل کے نتائج سے انسان فارغ نہیں ہو سکتا کہ دوسرا زندگی اور دوسرا عمل شروع ہو جائے۔ لامحالہ اس کا فیصلہ تب ہی ممکن ہوگا کہ اس کا حساب کتاب بند کیا جائے۔ جب یہ بند ہوگا تو تب ہی اس کی جانچ پڑتا ہوگی اور اس کا فیصلہ ہوگا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک عمل کے ختم ہونے سے قبل دوسرا شروع ہو جائے اور دوسرا کے ختم ہونے سے قبل تیسرا شروع ہو جائے۔ اس سے یقیناً یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آخرت ہونی چاہیے۔ یہی ایک زندگی ہے جس کا موت کے بعد حساب کتاب ہونا ہے اور بار بار کی زندگی نہیں ہو سکتی۔

عقل خود گواہی دے دے گی کہ یہ بات سراسر انصاف کے خلاف ہے کہ ایک آدمی چوری کرے اور اسے سزا دے دی جائے۔ ایک چور کو مغض اس وجہ سے چھوڑ دیا جائے کہ اللہ میاں کے کچھ چھیت کھڑے ہو جائیں اور کہیں کہ یہ میرا متولی ہے، اور مجھے نذرانے دیتا رہا ہے، لہذا اسے نہ پکڑا جائے۔ دوسرا آدمی کسی کو رشت دے کر نہیں آیا، اس لیے اسے پکڑا لیا جائے اور اسے سزا دے دی جائے۔ انسان کی عقل خود کہہ دیتی ہے کہ یہ بالکل انصاف کے خلاف ہے۔ اگر یہ کائنات کسی عکیم نے بنائی ہے تو اسے ضرور

عادل اور منصف ہی ہونا چاہیے، اور اس کے ہاں یہ بے انصاف نہیں چلنا چاہیے کہ لوگوں سے رشوئیں لی جائیں اور سفارشیں سنی جائیں اور اس کی بنی پر ایک گناہ گارچھوڑا جائے اور دوسرے گناہ گارکوپکرا جائے۔

اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ **خَرَاسُوْ وَ**، یعنی جو لوگ محض انکل پچوکی بنیاد پر اور اپنے قیاس اور گمان کی بنیاد پر اتنے بڑے معاملات کا فیصلہ کرتے ہیں وہ مارے گئے اور یہ تباہی کا راستہ ہے۔ سیدھا راستہ یہ ہے کہ نبیؐ کے ذریعے سے جو علم آتا ہے اسے اپنی عقل کے ذریعے سے جانچو، پر کھو اور دیکھو اور اس کے بعد جب یہ اطمینان ہو جائے کہ جو شخص اپنے آپ کو نبیؐ کی حیثیت سے پیش کر رہا ہے وہ فی الواقع بالکل معقول بات کہ رہا ہے اور اس کی اپنی زندگی بھی اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ ایسے آدمی کو نبی ہونا چاہیے اور اس کا کام بھی اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ یہ آدمی واقعی نبی ہونا چاہیے، لہذا اس کی نبوت کو مانا اور اس کے کہنے کے مطابق عمل کرو۔

**يَسْلُوْرَ أَيَّادَ يَوْمَ الْحِسْبَوْ ۝ (۱۲:۵۱) آخر وہ روزِ جزا کب آئے گا؟**

اس بات کو لمحظہ رکھیے کہ روزِ جزا کے متعلق کفار بھی پوچھا کرتے تھے اور آج بھی بہت سے لوگ پوچھتے ہیں کہ یہ دن کب آئے گا؟ اس کا مطلب نہیں ہے کہ وہ آخرت کی تاریخ معلوم کرنا چاہتے ہیں اور ایمان داری سے یہ پوچھتے ہیں کہ قیامت کب برپا ہوگی، کس سنہ میں، کس ماہ اور کس روز اور کس وقت برپا ہوگی؟ اور ان کا منشا یہ ہے کہ اگر آپ نے تاریخ ان کو بتا دی، مثلاً سنہ پانچ ہزار میں، تمبر کے میئینے میں ہفتے کے روز، صبح ساڑھے آٹھ بجے قیامت برپا ہوگی، تو وہ ایمان لے آئیں گے۔ یہ ان کی غرض نہیں تھی۔ ظاہر بات ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ فلاں سنہ اور فلاں میئینے میں قیامت برپا ہوگی تو کسی کے پاس جانے کا کیا ذریعہ ہے کہ فی الواقع ایسا ہوگا؟ ایمان لانے کے لیے یہ سوال کرنا اور نہ کرنا یکساں اور لا حاصل ہے۔ کسی کو مانتا ہے تو دلیل سے مانے، تاریخ پوچھنے کے کیا معنی؟ درحقیقت جو لوگ تاریخ پوچھتے تھے وہ چیلنج کے انداز میں پوچھتے تھے، نہ کہ ایمان لانے کے لیے۔ وہ مذاق اڑانے کے لیے اور چیلنج کے طور پر پوچھا کرتے تھے کہ جناب آپ جو فرماتے ہیں کہ ہم کسی وقت دوبارہ اٹھیں گے اور اپنے خدا کو حساب دیں گے، ذرا بتائیے تو سہی کہ وہ دن کب آئے گا؟ ہم آپ کو جھلکارے ہیں، پھر مار رہے ہیں، گالیاں

دے رہے ہیں، اذیتیں دے رہے ہیں، اگر ہمیں اپنے اعمال کی جواب دہی کرنا ہوگی تو وہ عذاب کیوں نہیں آ جاتا اور کیوں نہیں ہمیں پڑ لیتا؟ گویا کہ وہ قیامت کو ایسی حالت میں، جب کہ وہ قیامت کو نہیں مان رہے ہیں، رسولؐ کو بھلا رہے ہیں، اس کے باوجود ان کی پڑ نہیں ہو رہی ہے، ان کو جواب دہی نہیں کرنی پڑ رہی ہے، کوئی پولیس نہیں آتی جو انھیں گرفتار کر کے اللہ کے حضور میں لے جائے، اس بات کو وہ اس بات کی دلیل بنانا چاہتے تھے کہ تم بالکل غلط خبر دے رہے ہو کہ کوئی قیامت ہوگی، آخرت ہوگی، جواب دہی کرنا ہوگی اور جزاوسرا ہوگی۔

یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ قرآن مجید میں ان لوگوں کے اس سوال کا جواب اس انداز میں دیا گیا ہے کہ بعض اوقات آدمی حیران ہو کر سوچتا ہے کہ کوئی شخص علم حاصل کرنے کے لیے پوچھ رہا ہے کہ قیامت کب آئے گی؟ تو اسے کیوں نہیں بتا دیا جاتا کہ قیامت کب آئے گی؟ چونکہ وہ علم حاصل کرنے اور ایمان لانے کے لیے نہیں پوچھ رہے تھے اور ایمان لانے کے لیے اور علم حاصل کرنے کے لیے یہ سوال کرنا بالکل بے معنی تھا، وہ تو چلنگ کے انداز میں اور مذاق کے طور پر پوچھتے تھے۔ اب ان کے سوال کا جواب دیکھیے۔ اللہ تعالیٰ ان کے سوال کا جواب دیتے ہیں:

**يَوْمَ لَهُمْ عَلَى النَّاسِ يُفْتَنُونَ ○ مُؤْمِنُوْمَا فِتْنَتُكُمْ هُنَّا الْمُنْذَرُوْمُ مُكْنَتُمْ**

بہ تَسْتَغْبِلُوْرَ (۵۱: ۱۳-۱۴) وہ اس روز آئے گا جب یہ لوگ آگ پر تپائے جائیں گے۔ (ان سے کہا جائے گا) اب چکھومزا اپنے فتنے کا۔

یہ وہی چیز ہے جس کے لیے تم جلدی مپار ہے تھے۔

اب بجائے اس کے کہ تم یہ بات سن کر اپنے اعمال، اپنے اخلاق اور کردار کو درست کرتے، بلکہ یہ دھمکی لگانا شروع کر دی کہ ہماری شامت کا وہ وقت آ جائے، تو لوہہ ہماری شامت کا وقت آ گیا۔ تم جلدی کر رہے تھے کہ وہ دن آئے جب ہماری خبری جائے، تو لوہہ دن آ گیا جب ہماری خبری جائے گی۔ یہ جواب اس لیے دیا گیا کہ وہ مذاق اڑانے کے لیے پوچھ رہے تھے۔ اس لیے ان سے کہا جا رہا ہے کہ جس چیز کا تم مطالبہ کر رہے تھے، لوہہ وہ آگئی ہے اور اب اس کا مزا چکھو! [جاری]۔ (ریکارڈنگ: حفیظ الرحمن احسن، مذہن: امجد عباسی)

---